R.No. 3106/57 | Regd. No. L927

انجمن ترقی اُردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۸-۱۵-۲۲

[illegible]

جلد ۲۳ - شمارہ ۲ | ایڈیٹر - آلِ احمد سرور | ۸ر جنوری سنہ ۱۹۶۴ء

اداریہ

سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں اگلا قدم

انجمن کا ایک وفد جب اُتر پردیش میں سہ لسانی فارمولے کے نفاذ کے سلسلے میں وزیرِ اعظم سے ملا تھا تو وزیرِ اعظم نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں مناسب قدم اُٹھائیں گے۔ انھوں نے اور اُس وقت کے وزیرِ تعلیم پروفیسر ہمایوں کبیر نے مسز کرپلانی وزیرِ اعلیٰ اُتر پردیش کو انجمن کی یادداشت بھیجی اور انھیں توجہ دلائی کہ اس سلسلے میں ریاستی حکومت اپنی رائے دے۔ صدرِ انجمن نے جب وزیرِ اعظم سے دریافت کیا کہ انجمن کی یادداشت کے متعلق کیا کارروائی ہوئی ہے تو وزیرِ اعظم نے لکھا کہ اُتر پردیش کی وزیرِ اعلیٰ اُن کو اپنی رپورٹ عنقریب بھیجیں گی جس کے لئے اعداد و شمار جمع کئے جا رہے ہیں۔ امید ہے کہ جلد ہی یہ رپورٹ وزیرِ اعظم کو موصول ہو جائے گی اور وزیرِ اعظم اس رپورٹ کو ملاحظہ کرنے کے بعد مناسب کارروائی کریں گے۔

ظاہر ہے کہ وزیرِ اعظم کا جواب موصول ہونے کے لئے ہمیں کچھ دن اور انتظار کرنا پڑے گا۔ اس لئے انجمن سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں خود اگلا قدم نہیں اُٹھا سکتی۔ لیکن ایک بات طے ہے۔ انجمن چاہتی ہے کہ اُتر پردیش میں ہر جگہ جہاں پانچ طالب علم بھی اُردو بطور تیسری زبان کے پڑھنا چاہتے ہیں، اس کی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ انجمن کسی طرح اس اصول کو نہیں مان سکتی کہ کسی کلاس کی اکثریت جو زبان پڑھنا چاہتی ہے وہ اس کی اقلیت بھی پڑھے، اکثریت کے لئے کسی بھی زبان کا انتظام کیا جائے۔ اس سے ہمیں سروکار نہیں۔ ہمیں تو اس بات سے غرض ہے کہ جو طلبہ اُردو پڑھنا چاہتے ہیں اُنکے لئے لازمی طور پر انتظام کیا جائے اور اس سلسلے میں انتظامی یا مالی دشواریوں یا قابلِ لحاظ تعداد جیسے مبہم الفاظ کے بہانے نہ تراشے جائیں۔ اگر سہ لسانی فارمولے کی رو سے بھی اُن لوگوں کو جن کی مادری زبان اُردو ہے، اُردو پڑھنے کا موقع نہیں ملتا تو یہ ایک ایسی صورتِ حال ہے جس پر نہ صرف اُردو دوستوں کو بلکہ سارے جمہوریت پرستوں کو اور ماہرینِ تعلیم کو اور انصاف اور حق کا نام لینے والوں کو احتجاج کرنا چاہئے اور اس صورتِ حال کو بدلوانا چاہئے۔ انجمن کے اور دوسرے اُردو دوستوں کے توجہ دلانے سے کچھ اسکولوں میں اُردو کی تعلیم کا انتظام ہوا ہے مگر ضرورت کو دیکھتے ہوئے یہ سمندر میں قطرے کی برابر ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ وزیرِ اعظم کے حضور میں ہماری آواز کا اثر ہوگا اور اُن کے توجہ دلانے سے ریاستی حکومت اپنا فرض ادا کرے گی۔

اور اگر ایسا نہ ہوا اور ریاستی حکومت کے کان پر جوں بھی نہ رینگی تو انجمن پُر امن اور جمہوری طریقۂ کار اختیار کر کے اُتر پردیش میں اُردو کی تعلیم کا انتظام کرائے گی۔ ہمیں یقین ہے کہ تمام محبِ وطن اور عوام دوست ادارے اور افراد اس مُہم میں انجمن کا ساتھ دیں گے۔ اس موقعے پر اُردو دوستوں کا فرض ہے کہ اپنے اپنے حلقے میں اُردو کی تعلیم کا مطالبہ برابر کرتے رہیں اور کسی حال میں بددل اور مایوس نہ ہوں۔

اس اشاعت میں

سہ لسانی فارمولے کے سلسلے میں اگلا قدم (اداریہ) — ۱
[illegible] — ۲
اُردو کے ساتھ ناانصافی کا اعتراف — 〃
انجمن ترقی اُردو دہلی کی سرگرمیاں — 〃
دو ادبی خدمات کی پیش کش نامنظور — 〃
اُردو وکلا سے بحث کرنے کا مطالبہ نامنظور — 〃
بہار کا جادو — ۳
لکھنؤ میں یومِ صدیق حسن — ۳
آگرہ میں گنگا جمنی مشاعرہ — 〃
ہماری زبان میں نظم کا حصہ — 〃
ایک کتاب کی پرواز — 〃
[illegible] (نظم) — ۵
یو پی ایس سی کے مقابلے میں [illegible] — 〃
برہان پور میں بزمِ فضلی کی تشکیل — 〃
ہماری زبان بورڈ — 〃
ناول [illegible] — ۶
کیا مشاعروں اور فلمی غزلوں سے اُردو زندہ رہ سکتی ہے — ۷
مشاعروں اور فلمی غزلوں سے اُردو زندہ رہ سکتی ہے — ۸
بنگلہ کی یادیں — ۹
شاعر اور پوسٹ پالش — 〃
ایک رسم خط — 〃
علاقائی زبانوں میں دہلی یونیورسٹی کی کامیابی — ۱۰
اُردو اسکولوں کو کھولنے کے سلسلے میں حکومت کی ہدایات — 〃
اُردو مجلس کالج کا سالانہ جلسہ — 〃
دو نئی کتابیں — 〃
انجمن ترقی اُردو شاخ — 〃
علاقائی زبانوں کے استعمال کے لئے سرکاری احکام — 〃
مشترکہ رسم الخط اور تعلیم بالغاں کی اہمیت — ۱۱
ہندی کتابوں کے لئے نئی اسکیم — 〃
مشترکہ رسم خط — 〃
صفحہ ۹ کا بقیہ — ۱۲

سیر بین

لیجئے صاحب غضب ہو گیا۔ جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

اب تو ہندی کے ادیب بھی کہنے لگے کہ آج کل جو ہندی کی اصطلاحیں دھڑا دھڑ بن رہی ہیں اُن میں سنسکرت کی ایسی بھرمار ہے کہ ہندی کی فطرت کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ حال میں ایک اخبار میں ہندی کے مشہور شاعر اور ادیب سی۔ بی۔ راؤ کا ایک مضمون دیکھا۔ انہوں نے چند اصطلاحوں کی مثال دے کر اپنی بات کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ ضرور راؤ صاحب یا تو اُردو والوں سے مل گئے ہیں یا اس گروہ میں شریک ہو گئے ہیں جو ہندی کی مخالفت کر کے انگریزی کے تسلط کو اور طویل کرنا چاہتا ہے۔

ہم تو واقعی اب یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ سنسکرت نما ہندی کے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سیدھی سادی سنسکرت کو کیوں نہ راشٹر بھاشا بنا دیا جائے۔ ہندی کو راشٹر بھاشا کہا جائے تو جنوبی ہند والے ناراض ہوتے ہیں، پھر بنگالی، مراٹھی، گجراتی والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ اُن کی زبان کا ادب جب ہندی سے کسی طرح کم نہیں تو ہندی کو یہ درجہ کیوں ملے۔ ادھر اُردو والے بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔ اُدھر انگریزی کے حامی دنیا سے ربط کا قصہ چھیڑ دیتے ہیں۔ سنسکرت کو راشٹر بھاشا بنا دیا جائے تو ساڑھے پانچ سو افراد کے سوا سارا ہندوستان یکساں نفع یا نقصان میں رہے گا۔ کسی نہ کسی طرح سب متحد تو ہو جائیں گے۔ علم میں نہ سہی لاعلمی میں سہی۔ سب کی مشکل ایک ہی ہو گی۔

سنا تھا کہ جب کمزور کو غصہ آتا ہے تو وہ اپنے سے کمزور پر اُتارتا ہے۔ دفتر میں بابو پر ڈانٹ پڑتی ہے تو وہ چپراسی پر برستا ہے۔ چپراسی کیا کرے۔ وہ گھر جا کر اپنی جورو کی خبر لیتا ہے۔ یہ جو آج کل کے مظاہروں میں مشتعل مجمع، تار کاٹ دیتا ہے بسوں کو جلا دیتا ہے، ڈاک خانوں میں آگ لگا دیتا ہے، دکانوں کو لوٹ لیتا ہے، یہ کیا ہے۔ یہ جورو شوہر کی خبر لے رہی ہے، یا شوہر جورو کی۔

حضرت بل کی مسجد سے کسی بدبخت نے موئے مبارک چرا لیا۔ سری نگر کے عوام مشتعل ہو گئے۔ خیر اُنھیں تو اپنی حکومت پر غصہ تھا کہ اس نے کیوں غفلت برتی۔ لیکن کھلنا میں مجمع کیوں اتنا مشتعل ہوا کہ وہاں کی حکومت کو گولی چلانی پڑی۔ کیا وہاں والے یہ چاہتے تھے کہ پاکستان کی حکومت اس بات پر ہندوستان کی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کر دے۔ اور اب جب کہ ہندوستان کی حکومت کی سی۔ آئی۔ ڈی۔ نے موئے مبارک کا پتہ چلا لیا ہے، کیا کھلنا کا یہ مجمع اپنی حکومت کو ہندوستان کے ساتھ دوستی بڑھانے کے لئے مجبور نہ کرے گا۔

اُردو کے ساتھ ناانصافی کا اعتراف

لکھنؤ۔ ۳۰ر دسمبر۔ "ہندو مسلم اتحاد کی علمبردار اور گنگا جمنی کے دوآبہ کی قدیم تہذیب کی آئینہ دار زبان اُردو کے ساتھ خود اس کے وطن اتر پردیش میں سراسر ناانصافی ہو رہی ہے اور اسے اس کا جائز مقام نہیں دیا جا رہا ہے۔"

ان الفاظ میں مرکزی وزیر معدنیات و پٹرولیم پروفیسر ہمایوں کبیر نے آج یہاں لکھنؤ یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر یو۔پی۔ میں اُردو کے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں کا شکوہ کیا۔

پروفیسر ہمایوں کبیر نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں کہا کہ اُردو اتر پردیش ہی میں پروان چڑھی اور یہیں اس زبان کو جس کے ادب کا قیمتی سرمایہ کسی دوسری زبان سے کم نہیں ہے، بری طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

انہوں نے کہا کہ ہر زبان کو پھیلنے اور پھولنے کا حق ہونا چاہیے لیکن اتر پردیش میں منجملہ دوسری خرابیوں کے ایک یہ بھی خرابی رہی ہے کہ یہاں مسئلہ کے منفی پہلو پر غور و فکر زیادہ کیا جاتا ہے۔

انجمن ترقی اُردو اُجین کی سرگرمیاں

انجمن ترقی اُردو اور میونسپل بورڈ کے زیر اہتمام کارتک میلے اور نمائش کے موقع پر گل شیر احمد صاحب وزیر قانون مدھیہ پردیش کی صدارت میں شاندار پیمانے پر آل انڈیا مشاعرے منعقد ہوئے ملک کے ممتاز اور نامور شعرا نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

اعزازی خدمات کی پیش کش نامنظور

مادھو کالج اُجین میں بی۔ اے۔ ورکنگ مینز کلاسیز میں اُردو پڑھانے کے لئے سلطان احمد صدیقی ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ نے جو اپنی خدمات اعزازی حیثیت سے پیش کی تھیں وہ وائس چانسلر وکرم یونیورسٹی نے اس خیال سے کہ آگے چل کر عہدہ کا مطالبہ کیا جائے گا مسترد کر دیں۔

اُردو کلاسیز جاری کرنے کا مطالبہ نامنظور

گورنمنٹ گرلز کالج اُجین میں بی۔ اے۔ میں اُردو کلاسیز جاری کرنے کے لئے انجمن کے مطالبے کا ڈپٹی سکریٹری کالجیٹ برانچ مدھیہ پردیش نے جواب دیا ہے کہ کیونکہ چوبیس پیریڈ فی ہفتہ اُردو پڑھانے کی گنجائش نہیں اس لئے لیکچرر کا تقرر نہیں کیا جا سکتا۔ انجمن نے اس سلسلے میں اعداد و شمار پیش کر کے بتایا ہے کہ چوبیس گھنٹے کسی صورت میں بھی نہیں ہوتے۔ لہٰذا اسٹاف کا جلد تقرر کیا جائے۔

انجمن کے سکریٹری نے اس سلسلے میں وزیر قانون گل شیر احمد صاحب سے ملاقات کی۔ موصوف نے وعدہ کیا ہے کہ بھوپال پہنچ کر وزیر تعلیم سے اس موضوع پر گفتگو کر کے وہ کوئی حل تلاش کریں گے۔

پیار کا جادو

اُردو کو لگا ہوا روگ، ہمارے سماج کو لگے روگوں یا مسئل معاشی مسئلوں سے بالکل الگ اور مختلف ہے' یہاں اگر یاران نکتہ داں کے لئے صلائے عام نہ بھی ہے تو ہونا چاہیئے، کیونکہ میرا اپنا خیال تو یہ ہے کہ کسی سے ہمدردی کرنے کے لئے یا کسی عبادت میں جانے کے لئے لیڈرشپ کچھ بہت زیادہ ضروری نہیں۔ اب تو عالم یہ ہے کہ جس سے جو کچھ بن پڑتا ہے کر گزرتا ہے اور اُن کر گزرنے والوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنے لئے زیادہ کرتے ہیں اُردو کے لئے بہت کم، اور کچھ ایسے ہیں جو محض اپنے لئے ہی کرتے ہیں جب کہ ایک اچھی خاصی تعداد اُردو کو غلط طور پر استعمال کر کے اُس سے ناجائز فائدہ اُٹھانے والوں کی بھی موجود ہے۔ اور تب ہی بہت سارے ایسے لوگ بھی نظر آجاتے ہیں جو کچھ بھی نہیں کرتے، نہ اپنے لئے نہ اُردو کے لئے۔ اور سچ پوچھئے تو یہی وہ لوگ ہیں جو کام کے آدمی ہیں جو نہ تو اُردو کے نادان دوست ہیں نہ دانا دشمن۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے آپ دستخطی مہم کا کاغذ لے جائیں تو دستخط کر دیں گے، مشاعرے کے لئے چندہ مانگیں تو چندہ دے دیں گے، کسی پرچے کے اجرا کے لئے مدد مانگیں تو بھی نہیں انکار کریں گے ..... لیکن نعرے کبھی نہیں لگائیں گے اور اپنا وزن بتا کر یہ رعب کبھی نہیں ڈالیں گے کہ اُردو کے غم میں وہ دُبلے ہوتے جا رہے ہیں! ہندی اور دوسری زبانوں کو گالیاں کبھی نہیں دیں گے اور کہیں سفر کرتے ہوئے اگر کسی ریلوے پلیٹ فارم پر اُن کا من پسند کوئی اُردو کا پرچہ یا رومانی دنیا کا اُردو ایڈیشن نہیں مل سکا تو وہ بڑے اطمینان سے ہندی کو ہی اپنی ہم سفر بنا لیں گے، ہندی کا ہی کوئی پرچہ خرید لیں گے یا رومانی دنیا کا ہندی ایڈیشن!

اس میں شک نہیں کہ وہ اس پُرخلوص نکتے سے ہرگز واقف نہیں کہ ملک کی تمام زبانوں کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ لیکن اُن جانے بن میں اُن سے یہ خلوص "سرزد" ہو جاتا ہے جو اُردو کے مخالفوں اور دشمنوں کو ایک آنکھ نہیں بھاتا اور وہ تلملا اُٹھتے ہیں کہ وہ ہندی کے ایسے نادان دوست ہیں کہ روزمرہ کی بول چال بھی سنسکرت میں کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے مقابل کے برتھ پر ایک ایسے آدمی کو بیٹھا دیکھتے ہیں جس نے اُردو کے ماحول میں آنکھیں کھولیں تعلیم کی ابتدا (اور کبھی کبھی انتہا بھی) اُردو سے کی، جس کی ماں اُردو بولتی رہی اور جس کی محبوبہ (یا بیوی) اسے اردو میں خط لکھتی رہی' وہ بڑے اطمینان سے بیٹا ہندی کا کوئی پرچہ پڑھ رہا ہے۔ اُس کے چہرے پر نفرت کا دھم سا عکس بھی نہیں!

اور اُردو کے اس دشمن کی حیرت کی انتہا تو اس وقت ہو جاتی ہے جب وہ جھانک کر اس آدمی کے پرچے کی طرف دیکھتا ہے اور پاتا ہے کہ پرچے میں اُردو افسانہ نگاروں کے بھی کتنے ہی افسانوں کے ترجمے موجود ہیں لیکن وہ آدمی کسی ہندی افسانہ نگار کا ہی افسانہ پڑھ رہا ہے!

اور اُردو کا دشمن حد سے زیادہ استعجاب میں تقریباً بے ہوش ہو جاتا ہے جب وہ کسی کوی سمیلن یا ساہتیہ سماروہ کے لئے ایک ویسے "زیرو" قسم کے آدمی کے پاس چندہ لینے جاتا ہے اور وہ "زیرو ایسٹ" آدمی بڑے اطمینان سے اپنی اوقات بھر چندہ دے ڈالتا ہے۔

آیئے ہم سوچیں وہ اُردو داں جو بظاہر کچھ نہیں کرتا کتنا بڑا کام کرتا ہے۔

وہ اُردو پر حملہ آور فوج کو کئی قدم پیچھے ہٹا دیتا ہے۔

وہ اُردو کے خلاف دہکتی ہوئی نفرت کی آگ کو کچھ نہ کچھ ٹھنڈی ضرور کرتا ہے۔

اور وہ اُردو کے دشمنوں کو کچھ دیر کے لئے بھونچکا سا ضرور چھوڑ دیتا ہے۔ اور اُردو کا وہ دشمن جو بیوی کو پتنی اور پریشانی کو دیا کل کہہ کر سمجھتا ہے کہ اس نے کم سے کم اُردو کے دو الفاظ بیوی اور پریشانی کا تو جنازہ نکالا۔ بڑی عاجزی سے کہتا ہے:

"جناب صرف چندہ دے دینے سے بات نہیں بنے گی۔ آپ کو مشاعرے میں اوش شرکت کرنا ہوگا۔"

آپ یقین کیجئے کہ اگر ہمارے خلوص اور پیار کا یہی عالم رہے تو ایک دن اُردو کا وہی دشمن آپ کے پاس کوی سمیلن کے لئے نہیں بلکہ "ہندی مشاعرے" کے لئے چندہ لینے آئے گا اور تب چندہ لینے کے بعد وہ کہے گا:

"جناب! صرف چندہ عنایت کر دینے سے بات نہیں بنے گی۔ آپ کو مشاعرے میں ضرور شرکت کرنی ہے!"

آج مجھے اگر کچھ کہنا ہے تو صرف یہ کہ اُردو کو لگے مُہلک اور خطرناک روگ کا میں بھی ایک چھوٹا سا علاج بتانا چاہتا ہوں ایک معمولی سی دوا۔ ایک معمولی لیکن انمول دوا۔ وہ دوا جو مفت میں ملتی ہے لیکن جس کی قیمت سارے جہان کی دولت بھی نہیں ہو سکتی۔

اجازت ہے؟

وہ دوا ہے پیار، وہ نسخہ ہے خلوص، وہ علاج ہے رواداری اور برابری کا برتاؤ۔

ہم نے اپنے دل میں دانستہ طور پر نفرت کے جو شعلے جلا رکھے ہیں انھیں سرد کر دیں اور ہمارے دلوں میں انجانے طور پر ہندوستان کی دوسری زبانوں سے دشمنی کا جو جذبہ گھس آیا ہے اُسے نکال پھینکیں۔

پیار سے شیر سدھائے جاتے ہیں اور اُردو کے وہ دشمن لاکھ دانا سہی لیکن شیر تو نہیں ہو سکتے۔

یقین کیجئے اُردو کے جو دشمن ہیں وہ "جانی دشمن" نہیں۔ اگر وہ جانی دشمن ہوتے تو اُن کے پاس اتنے پیسے ہیں اتنے پیسے بیکار پڑے ہیں کہ وہ اُردو کے تمام پریس چند گھنٹوں میں خرید سکتے ہیں اور اُردو کی تمام مطبوعہ کتابیں بھی، اُردو کے تمام ادیب اور شاعر بھی اور اُردو سے محبت کا جذبہ بھی اور خود اُردو کو بھی!

لیکن جس طرح آپ اپنے نام کے پہلے "شری" لکھ دیئے جانے پر محض "فیشن" اور دکھاوے کے طور پر بدک اُٹھتے ہیں ٹھیک اسی طرح وہ بھی محض ایک چل پڑی روش کے تحت اردو سے دشمنی کرتے ہیں۔

سچے دشمن نہ آپ ہیں نہ وہ ہیں۔

لیکن اس مصنوعی دشمنی کے ساتھ ساتھ سچی دشمنی کی ایک دیوار ضرور اُٹھتی جا رہی ہے۔ یہ دیوار لوہے کی ہے جسے چند نسلوں کے بعد ڈھانا بھی مشکل ہو جائے گا۔

یہ لوہا پگھل سکتا ہے تو صرف اور صرف پیار کی تپش سے۔ لیکن ڈر تو اس بات کا ہے کہ آئندہ نسلوں کے پاس اس دیوار کو پگھلانے کیلئے پیار بچ بھی سکے گا یا نہیں۔

کیوں نہیں آج کا کام ہم آج ہی کر ڈالیں۔ ابھی ہمارے پاس پیار کا خزانہ ہے۔

آیئے ہم یہ اُٹھتی ہوئی دیوار پگھلا دیں۔

اور نعرہ لگائیں:

"اُردو اور ہندی ہی نہیں بھارت کی
تمام زبانوں سے ہمیں پیار ہے"

(اقتباس از ہفتہ وار مورچہ)

لکھنؤ میں یوم صدیق حسن

بزم شعراء لکھنؤ نے فیصلہ کیا ہے کہ مرحوم سید صدیق حسن آئی۔ سی۔ ایس کی یاد میں "یوم سید صدیق حسن" اعلیٰ پیمانے پر ۲۲ر فروری ۱۹۶۴ء کو دن میں بروز اتوار قیصر باغ بارہ دری میں منایا جائے گا۔ اور اس میں مرحوم سے متعلق مضامین، قطعات اور نظمیں پڑھنے کے علاوہ ایک مشاعرہ بھی منعقد ہو گا۔

آگرہ میں گنگا جمنی مشاعرے

چند خوش فکر نوجوانوں نے آگرہ میں گنگا جمنی مشاعروں کی بنیاد ڈالی ہے۔ ان مشاعروں میں اُردو اور ہندی دونوں زبانوں کے مشہور شعراء کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ ایسی زبان میں اپنا کلام پیش کریں جو نہ مفرس اُردو ہو اور نہ سنسکرت زدہ ہندی بلکہ عام فہم ہو۔ یہ کوشش کامیاب ثابت ہو رہی ہے۔

اسی سلسلے میں ۲۲ر دسمبر ۱۹۶۳ء کو میوہ کٹرہ میں ایک گنگا جمنی مشاعرہ حضرت میکش اکبرآبادی کی صدارت میں منعقد کیا گیا۔ مشاعرہ میں پروفیسر مغیث الدین فریدی اور حضرت معصوم رضا راہی نے بھی شرکت فرمائی۔ مشاعرہ سے پہلے حضرت شہاب سرمدی نے ایسے مشاعروں کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ ہندی دنیا کے مشہور کوی جناب سوم ٹھاکر کے علاوہ مکھل سنیاسی اور موہن سنگھل نے بھی اپنے کلام سے محظوظ فرمایا۔ اُردو شعراء میں حضرت میکش اکبرآبادی، حضرت شہاب سرمدی، جناب صہبا اکبرآبادی، جناب آفتاب اکبرآبادی، جناب اصغر اکبرآبادی، جناب متین فریدی، جناب غلش اکبرآبادی نے شرکت فرمائی۔ سکریٹری کے فرائض ہمارے شہر کے نوجوان شاعر جناب متین فریدی ایم اے نے انجام دیئے۔ مشاعرہ نہایت کامیاب رہا۔ (نامہ نگار)

ہماری زبان میں نظم کا حصہ

آپ نے اپنے رسالے میں نظم کا حصہ بہت ہی مختصر کر دیا۔ میرے خیال میں تو یہ پہلے ہی کم تھا۔ اگر ادیبوں کے ساتھ ساتھ شعراء کو بھی نوازتے رہیں تو کیا بُرا ہے۔

آج کل جیسا کہ آپ کو علم ہے شعراء کی کافی تعداد ہو گئی ہے اس لئے نئے شعراء کو شائع ہونے کا بہت کم موقع ملتا ہے حالانکہ کئی ان نئے شعراء میں ایسے شاعر ہیں کہ وہ اساتذہ سے بہتر ہیں اور آئندہ چل کر وہ کوئی اہم مقام ضرور حاصل کر لیں گے۔

آپ سے التماس ہے کہ کم از کم دو صفحات نظم کے لئے وقف کر دیں تو بہتر ہو۔ (قوی فائزی)

ایک کتاب کی پرواز

(بحوالۂ قومی آواز) لندن میں ایرانی ادب کی قدیم صوفیانہ رمزیت کا شاہکار "منطق الطیر" ۱۸ ہزار پاونڈ میں فروخت ہوا۔

شیخ فریدالدین عطارؒ کی اس مشہور تصنیف کا یہ قلمی نسخہ افغانستان کے ایک باشندے کے پاس تھا۔ اس کو میٹروپولیٹن میوزیم نے خریدا ہے۔ آج تک کسی مشرقی مخطوطے کی اتنی قیمت نہیں لگی۔

عطارؒ نے رمزیہ شاعری کے اس شاہکار کو ۱۱۸۳ء میں مکمل کیا تھا۔

آزاد گلاٹی

میرا ذہن

یہ مرا ذہن —
سلگتے ہوئے خوابوں کا جہاں،
یہ مرے ماضی کی خاموش فغاں،

یہ مرا ذہن —
وہ ائیں جس کی
آئینے سامنے رکھے ہوئے آئینے ہیں
جن میں اب تک ترے بخشے ہوئے زخموں کے نشاں
ان گنت عکس بناتے ہوئے کھو جاتے ہیں

یہ مرا ذہن —
دریچے جس کے
جب کھلے ہوں، تو ہوائیں غم کی
اس میں اُگتے ہوئے زخموں کی ہری کھیتی سے
سرسراتی ہوئی — بھوتوں کی طرح
ایک پُر اسرار سی آہٹ کر کے
روح احساس کو چونکاتی گزر جاتی ہیں۔

یہ مرا ذہن —
کہ ہستی جس کی
چند جھلسی ہوئی یادوں کے سوا کچھ بھی نہیں

یہ مرا ذہن —
کہ الجھن جس کی
تیرے گیسوئے خم و پیچ کو بھی شرمائے

یہ مرا ذہن —
سلگتا ہوا اک انگارا
جس کو تقدیر کے ہاتھوں نے بڑی "شفقت" سے
میرے احساس کے خرمن پہ سجا رکھا ہے

یہ مرا ذہن —
مرے واسطے بے شک ہے وبال
اس کی ہستی سے مگر ہے مرے نغمات میں رس
میرے نغمات۔ ترے پیار کے لمحوں کے امیں
میرے نغمات۔ کہ جن میں تری یادیں ہیں مکیں
میرے نغمے — جو مری زیست کی بنیادیں ہیں
ایک مجبور و حزیں دل کی جو فریادیں ہیں
اس لئے ہے یہ مجھے اتنا عزیز،

یہ مرا ذہن —
سلگتے ہوئے خوابوں کا جہاں
یہ مرے ماضی کی خاموش فغاں

یو۔پی۔ ایس سی کے مقابلوں میں ہندی ذریعہ امتحان

(بحوالہ ہندوستان ٹائمز) پرکاش ویر شاستری اور مہاویر تیاگی وغیرہ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مرکزی وزیر داخلہ گلزاری لال نندا نے کہا کہ یونین پبلک سروس کمیشن کے امتحانی مقابلوں کے لئے ہندی کو ذریعہ امتحان بنانے کی ابھی کوئی تاریخ مقرر نہیں کی گئی ہے۔ اس سوال پر غور و خوض ہو رہا ہے۔ آخری فیصلہ ہونے پر تاریخ کا اعلان کر دیا جائے گا۔ انہوں نے مزید وضاحت کے لئے کہا کہ پالیسی پر غور نہیں ہو رہا کیونکہ یہ پالیسی طے شدہ ہے لیکن اس کے نفاذ کے لئے ابھی کچھ وقت درکار ہے۔

مسٹر پی وینکاٹا سبیا نے سوال کیا کہ کیا ایسے تحفظات رکھے گئے ہیں کہ غیر ہندی علاقوں کے امیدواروں پر اس فیصلے کا بُرا اثر نہ پڑے۔ اس کے جواب میں وزیر داخلہ نے کہا کہ اس کا تعلق امتحانی پرچوں کے لئے ایک ایسی یکساں پالیسی اختیار کرنے سے ہے جس سے کسی فریق کو نقصان نہ پہنچ سکے۔

مسٹر وی سی پورواج کے اس سوال کے جواب میں کہ مختلف علاقوں میں بھانت بھانت کی ہندی بولی جاتی ہے، ایسی صورت میں امتحانات کس قسم کی ہندی میں ہوا کریں گے؟ وزیر داخلہ نے کہا کہ اس کا جواب ہندی علاقوں کے دوست ہی زیادہ بہتر طور پر دے سکتے ہیں۔ لیکن میری رائے میں مختلف علاقوں میں بولی جانے والی ہندی میں ایسا کچھ زیادہ اختلاف نہیں پایا جاتا۔

برہان پور میں بزم راغب کی تشکیل

برہان پور میں چند صاحب علم و ادب حضرات کے ایک جلسے میں برہان پور کے مشہور استاد شاعر راغب ہاشمی مرحوم کی یاد میں 'بزم راغب' کی تشکیل کی گئی۔ مندرجہ ذیل حضرات عہدے دار منتخب کئے گئے۔

سرپرست۔ بشیر محمد خاں صاحب، صدر۔ غالب ہاشمی صاحب، نائب صدر۔ مرزا محمود ساز صاحب و شفیق راز صاحب، جنرل سکریٹری۔ اقبال نصیب صاحب،

ایک کل ہند مشاعرے کا پروگرام زیر غور ہے۔

ہماری زبان پروری

سنہ ۱۹۶۴ء میں 'ہماری زبان' کی سالانہ خریداری قبول فرمانے والوں کو ہم کچھ تحفے تحائف دینا چاہتے ہیں۔

دیکھئے، اُردو کی زندگی ہماری زندگی پر منحصر ہے۔ اپنی زندگی کا ثبوت دیجئے۔ خریدار نہیں اور خریدار بنائیں۔ شکریہ

(انجمن توسیع اُردو)

نصیر الدین ہاشمی

ناول "چنچل نار" کا مطبوعہ نسخہ

چندماہ پیشتر محترم ڈاکٹر قمر رئیس صاحب نے ناول "چنچل نار" کے متعلق ایک مضمون میں اس امر سے بحث فرمائی تھی کہ ناول "چنچل نار" مہاراجہ کشن پرشاد کی تصنیف ہونے میں شک وشبہ ہے بلکہ یہ ناول پنڈت رتن ناتھ سرشار کی تصنیف ہے، میں نے اسی زمانے میں اپنے معلومات کو واضح کر کے چنچل نار کو مہاراجہ سرکشن پرشاد کی ہی تصنیف ہونا ثابت کردیا تھا۔ مجھے اس زمانے میں ناول کا مطبوعہ نسخہ دستیاب نہیں ہوا تھا، اب اس ناول کا مطبوعہ نسخہ مجھے دستیاب ہو چکا ہے اس لئے چند امور کی صراحت موجب دلچسپی ہو گی۔

"چنچل نار" کا مطبوعہ نسخہ (۹ × ۵½) انچ سائز کے (۳۱۰) صفحے پر مشتمل ہے، اس میں (۲۸۰) صفحے ناول کے ہیں اور باقی (۳۰) صفحوں پر کئی شعراء کے تاریخی قطعات ہیں۔ سب سے پہلے خود مصنف کا تاریخی قطعہ ہے، جو حسب ذیل ہے:۔

مزہ جب ہے اے شاد تحریر کا — کرے دلبری نقشۂ حسن و عشق
کہیں دیکھ کر اس کو اہل سخن — کھنچا کیا پری نقشۂ حسن و عشق
۱۳۲۱ ہجری

اس تاریخی قطعہ کے بعد اور سولہ شعراء کے تاریخی قطعات ہیں، یہ شعراء حسب ذیل ہیں:۔

(۱) نواب مرزا خان بہادر فصیح الملک داغ۔ (۲) لطیف احمد مینائی فرزند امیر مینائی۔ (۳) ترک علی شاہ ترکی مخاطب امیر الشعراء۔ (۴) سید شائق حسین خاں سقیر۔ (۵) حافظ جلیل حسن جلیل۔ (۶) سلامت اللہ اسلم کان پوری۔ (۷) سید اعظم علی شائق۔ (۸) محمد خاں طلعت۔ (۹) احمد نواز خاں منشی۔ (۱۰) غلام محی الدین نکہت۔ (۱۱) داور علی خاں واقف۔ (۱۲) محمد امراؤ مرزا نادان۔ (۱۳) نور الضیاء الدین ضیاء۔ (۱۴) قاضی محمد صدیق احمد فہیم۔ (۱۵) غلام مصطفےٰ رسا۔ (۱۶) سید عبد العلی صفاتی۔

ان اصحاب کے تاریخی قطعات کے علاوہ محمد عبد الجبار خاں آصفی کی فارسی مثنوی اس ناول کی مدح میں (۱۸) صفحات پر مشتمل ہے۔ مندرجہ صدر شعراء میں سے بعض نے زمانۂ مابعد میں اپنے اعزاز کے لحاظ سے بڑی ترقی کر لی تھی مثلاً لطیف احمد مینائی اختر یار جنگ بنکر ناظم امور مذہبی کی خدمت پر فائز ہوئے۔ حافظ جلیل حسن فصاحت جنگ کے خطاب کے ساتھ آصف جاہ سابع میر عثمان علی کے استاد سخن ہو گئے۔ نور الضیاء الدین نے ضیاء یار جنگ کا خطاب پایا اور ہائی کورٹ کے جج بن گئے تھے۔

اس موقع پر حضرت داغ اور حضرت جلیل کے تاریخی قطعات درج کئے جاتے ہیں، حضرت داغ کا قطعہ یہ ہے:

خوب ہی ناول مہاراجہ بہادر نے کہا
جس کا ہر ہر لفظ نادر بے مثال و انتخاب
ذوق پیرایہ فسانہ ہے طبیعت کے لئے
شوق افزا اہل دل کے واسطے ہے یہ کتاب
شوخ مضموں ہیں کہ کلی بن پھڑک جاتا ہے دل
دیکھنے والے کو ممکن ہی نہیں آئے جو تاب
یہ صفائی اور یہ مضمون باریک و لطیف
اس کے ہر نقطے میں اک نکتہ ہے کیا اس کا جواب
داغ نے یہ مصرعۂ تاریخ برجستہ کہا
چلبلی البیلی چنچل نار ہے وقت شباب
۱۳۲۱ ہجری

حضرت جلیل کا تاریخی قطعہ یہ ہے:

تر زبانی خوش بیانی شاد کی ہو کیا بیاں
داستاں ساری ہے رنگیں دلنشیں سارا بیاں
ختم ناول کی کہی تاریخ میں نے اے جلیل
کتنی پاکیزہ زباں ہے صاف ہے کتنا بیاں
۱۳۲۰ ہجری

ایک اور قطعہ جلیل کا یہ ہے:

آشوب جہاں ہے آفت جاں ہے دلبر و دلکش چنچل نار
جو آگ لگا دے ہوش اڑا دے ہے وہ پریوش چنچل نار
میں نے بھی جلیل اس ناول کی تاریخ کہی کیا گرما گرم
اک برق جفا اک سوز نہاں پرکالۂ آتش چنچل نار
۱۹۰۳ عیسوی

ناول کے ٹائٹل پیج (پہلا صفحہ) پر حسب ذیل عبارت درج ہے:

چنچل نار
ایک پُر اثر اور پر مغز ناول
مصنفہ
عالی جناب معلی القاب راجہ راجایان مہاراجہ
سرکشن پرشاد کے سی آئی ای
یمین السلطنت پیشکار و وزیر اعظم دولت آصفیہ
المتخلص بہ شاد تلمیذ حضرت آصف خلد اللہ ملکہ
در مطبع شمسی حیدرآباد دکن باہتمام محمد ابراہیم خاں اکبرآبادی طبع شد
۱۳۲۱ھ

اس صراحت سے واضح ہے کہ یہ ناول اس وقت شائع ہوا ہے جب کہ سرکشن پرشاد نواب میر محبوب علی خاں

چھٹے آصف جاہ کے وزیر اعظم تھے اور یہ ان کی وزارت کا ابتدائی دور تھا۔

ناول کے دوسرے صفحے پر مصنف نے "اطلاع" کے عنوان سے ایک مختصر سا دیباچہ بھی لکھا ہے جو یہ ہے:

اطلاع

"یہ ناول چنچل نار جو اس وقت زیور طبع سے آراستہ ہوکر ہدیہ ناظرین ہوتا ہے کوئی نیا ناول نہیں ہے، بلکہ سابق میں نصف حصہ تک بالاقساط رسالہ دبدبۂ آصفی کے ساتھ نکل چکا ہے اس وقت یہ خیال تھا کہ بقیہ حصہ مع طبع شدہ حصے کے کتاب کے قالب میں لاکر شایع کیا جائے۔ مگر کم فرصتی مانع رہی۔

چونکہ اکثر احباب اور شایقین کا تقاضا ہوا کہ یہ ناول کامل طور سے طبع ہو جائے، لہذا بقیہ حصہ مع حصہ اول کے جس پر نظر ثانی کی گئی ہے، کتاب کی صورت میں شیرازہ بند کرکے ارباب نظر کے سامنے لایا جاتا ہے، کیا بات ہے اگر اہل زبان وزباندان جو اُردو زبان کی پیاری صورت پر والہ وشیدا ہیں، اور وہ اہل دل جو حسن وعشق کے دل کش واقعات سے ایک خاص مناسبت رکھتے ہیں، اور وہ صاحبان بصیرت جو الفاظ کے پردے میں شاہد معانی کا نظارہ کرتے ہیں اور ہر کلام سے نتیجۂ کلام نکالتے ہیں، اس ناچیز ناول کو دلچسپی کی نگاہ سے ملاحظہ کریں۔" شاد عفی عنہ

اس اقتباس سے یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ رسالہ "دبدبۂ آصفی" جس میں یہ ناول بہ اقساط شایع ہو رہا تھا، رسالہ کے بند ہو جانے سے مکمل نہیں ہوا تھا، بہ الفاظ دیگر پنڈت رتن ناتھ سرشار ۱۹۰۲ء میں انتقال کر چکے تھے۔

۱۳۲۱ھ (۱۹۰۴ء) میں جب کہ یہ ناول مکمل کرکے شایع ہوا ہے اس وقت پنڈت سرشار کو دنیا چھوڑے ہوئے دو برس ہو چکے تھے۔ پنڈت رتن ناتھ کے مرنے کے بعد جب یہ ناول مکمل ہوکر شایع ہوا ہے تو پھر اس امر کا شبہ کرنا کہ یہ ناول مہاراجہ سرکشن پرشاد کا مرتبہ نہیں ہے بلکہ سرشار کا مرتبہ ہے صحیح نہیں ہو سکتا۔ صرف اس لحاظ سے کہ مہاراجہ کشن پرشاد چونکہ ایک جاگیردار تھے اس لیے ان کا ادیب یا ناول نگار ہونا دشوار ہے تو حق بجانب نہیں ہوگا۔

غرض ناول "چنچل نار" پنڈت سرشار کی تصنیف نہیں بلکہ مہاراجہ سرکشن پرشاد کی ہی تصنیف ہے۔

"کیا مشاعروں اور فلمی غزلوں سے اُردو زندہ رہ سکتی ہے"

مشاعروں اور فلمی غزلوں سے اُردو زبان زندہ نہیں رہ سکتی ہے بلکہ مشاعرے اور فلمی غزلیں اُس وقت تک زندہ ہیں جب تک اُردو والوں کا ایک طبقہ موجود ہے۔ اُردو زندہ ہے تو اُس وقت تک، جب تک اُردو کو "اپنی زبان" کہنے والے باقی ہیں۔ اگر اُردو کو آنے والی نسلیں پڑھیں گی تو اُردو ہمیشہ زندہ رہے گی۔ ورنہ یہ بات غلط ثابت ہو جائے گی کہ زبانیں کبھی مرا نہیں کرتیں۔

وطن کی تقسیم کے بعد ملک کے کچھ حصوں کو چھوڑ کر کہیں بھی اُردو والوں کا نیا طبقہ وجود میں نہیں آیا ہے۔ ۱۹۴۷ء کے بعد پیدا ہونے والے بچے بالکل اُردو نہیں جانتے ہیں۔

اگر لوگ اُردو سے واقف ہی نہ ہوں گے تو وہ فلمی غزلیں کیونکر پسند کریں گے۔ جب اُردو سمجھنے والوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جائیگی تو فلموں میں بھی اُردو زبان کم سننے میں آئے گی۔ مشاعرے اُس وقت تک ہوں گے جب تک اُردو کو سمجھنے والے باقی ہیں۔

مشاعروں اور فلمی غزلوں نے نہیں بلکہ آنے والی نسلوں نے اُردو کو زندہ رکھنا ہے۔ آج کے بچوں کو کل کے اُردو ادیب بننا ہے اور اُردو کو مزید ترقی دینی ہے۔ اُن علاقوں میں جہاں اُردو کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے، صرف ایک تجویز اُردو کو زندہ رکھ سکتی ہے کہ اُردو کے حامی اپنے گھروں میں اُردو کے لئے اُردو کی پڑھائی کا بندوبست کریں۔

میں خود اُن میں سے ایک ہوں جنھیں اسکولوں میں اُردو پڑھنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ ۱۹۴۸ء میں ابھی مدرسہ کے دوسرے درجے میں ہی تھا کہ اُردو سے جدا ہونا پڑا لیکن میری رگوں میں اُردو داں اور شاعر باپ کا خون دوڑ رہا تھا جس نے میرے ہاتھ سے اُردو کا دامن جانے نہیں دیا۔ گھر کے تمام رکن اُردو سے عشق کرتے ہیں اور اُردو پڑھتے ہیں۔ گھر کے بچے اسکولوں میں جو زبانیں پڑھائی جاتی ہیں شوق سے پڑھتے ہیں، لیکن گھر میں آکر اردو اور فارسی بھی پڑھتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ گھر میں کوئی ادیب عالم و ادیب فاضل ہے تو کوئی منشی فاضل ہے۔

میرے خیال میں اگر اُردو کی شمع کو ہمیشہ روشن رکھنا ہے تو ہر اُردو پرست کو اپنا یہ فرض سمجھنا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو اُردو پڑھائی ہے خواہ اسے گھر پر ہی پڑھانی پڑے۔ ورنہ یقیناً کل کو اُردو ایک معمہ بن کے رہ جائے گی۔ جیسے ایک عظیم شاعر نے کہا تھا ؎

تمنا تھی، کہ ہر اک جذبۂ دل کو زباں دیتا
وطن کے کارناموں کو حیات جاوداں دیتا
مگر کس کے لئے؟ پھر کون سمجھے گا زباں اپنی
معمہ بن کے رہ جائے گی ہر اک داستاں اپنی

(دلجیت سنگھ ولد بابو جو بلیب سنگھ فائق)

"کیا شاعروں اور فلمی غزلوں سے اُردو زندہ رہ سکتی ہے"

جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب کے مراسلے کے مطالعے کے بعد خیال آیا کہ اس سلسلے میں کچھ اور باتیں بھی دل میں کھٹک رہی ہیں، کیوں نہ ان کو بھی "ہماری زبان" کے قارئین کے سامنے غور و فکر کے لئے پیش کر دیا جائے۔ اگرچہ مدراس کے گزشتہ دس سالہ قیام کے دوران میں میرا یہ عقیدہ رہا۔ ع

بہاروں پر ہے اُردو کا چمن مدراس میں یارو!

لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں کھٹکا لگا رہا اور بعد کے تجربات نے ساری خوش فہمی دور کر دی۔ چنانچہ اپنے تجربات کی روشنی میں اس موضوع پر میں بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) گزشتہ سال مدراس کے ایک زنانہ کالج میں بزم ہندی کے افتتاحی اجلاس میں ایک مقرر کی تقریر سُننے کا اتفاق ہوا۔ یہ صاحب غالباً ہندی پرچار سبھا سے تعلق رکھتے تھے۔ تقریر کا موضوع تھا ایک سے زائد زبانیں سیکھنا فائدہ مند ہی ہے نقصان دہ نہیں۔ اور طالبات کی مادری زبان چاہے جو بھی ہو وہ ہندی سیکھ کر فائدہ ہی حاصل کر سکتی ہیں۔ یہاں تک تو ٹھیک ہی تھا۔ اعتراض کی کوئی بات نہیں لیکن مقرر صاحب نے اس سلسلے میں ہندوستان کی ان ساری زبانوں کا نام بار بار لیا جو مدراس میں بولی جاتی ہیں۔ مثلاً تامل، تلگو، ملیالی، کنڑی، گجراتی، سندھی، وغیرہ وغیرہ۔ مگر نہ لیا تو نام ہماری اُردو کا۔ حالانکہ کافی تعداد ان مسلم طالبات کی بھی موجود تھی جن کی مادری زبان اُردو تھی۔ جواز میں یہ بھی تو نہیں کہا جا سکتا کہ خود مقرر واقف نہیں تھا کہ اُردو بھی کوئی زبان ہے۔ اس کے بعد ذہن میں یہی خیال آیا کہ کیا ہندی والے اُردو کو ایک زبان کی حیثیت سے مٹا دینا چاہتے ہیں؟

(۲) ہندی پرچار سبھا کی جانب سے ہونے والے امتحانات میں (جن کو اب سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے) ترجمہ کا ایک سوال ہوتا ہے، جس میں ہندی عبارت کا ترجمہ اپنی مادری زبان میں کرنا ہوتا ہے۔ مدراس کی حد تک ہر زبان بولنے والے کو حق ہے کہ وہ اپنی مادری زبان میں اس عبارت کا ترجمہ کرے۔ لیکن اُردو بولنے والوں کو اس کا حق نہیں دیا جاتا کہ وہ اُردو میں اس کا ترجمہ کریں۔ زیادہ سے زیادہ وہ انگریزی میں اس کا ترجمہ کر سکتے ہیں، بشرطیکہ وہ اُردو کے علاوہ ہندوستان کی اور کسی زبان سے واقف نہ ہوں۔ اس سے ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ ایسے مسلمان جو صرف اُردو سے واقف ہیں، ہندی کے ان امتحانات میں شرکت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

(۳) چند سال پیشتر تک ان ہی امتحانات کے سلسلے میں ایک اور سوال اُردو رسم الخط میں دیا جاتا تھا اور اس کا ترجمہ دیوناگری رسم الخط میں کرنا ہوتا تھا۔ اگرچہ یہ سوال لازمی نہیں ہوتا تھا اور اس کے نمبر جملہ نمبرات میں شمار نہیں کئے جاتے تھے لیکن سرٹیفکٹ میں لکھا جاتا تھا، "اُردو لپی میں بھی کامیاب"۔ پچھلے دو تین سالوں سے اس قسم کے سوال دینے کے طریقے کو ہی ختم کر دیا گیا ہے۔

یہ تو غیروں کی ذہنیت تھی، کچھ اپنوں کی کرم فرمائیاں بھی ملاحظہ ہوں۔

(۴) زبان دوم کے طور پر ایک مسلمان طالب علم لڑکی نے ہندی کو پسند کیا، جو ہائی اسکول میں اُردو پڑھ کر آئی تھی۔ اُردو کی سیٹ کو خطرے سے بچانے کے لئے ان کو مشورہ دیا گیا کہ زبان دوم میں تو اُردو پڑھئے، اور تھرڈ پارٹ (اختیاری مضامین) میں ایک مضمون ایڈوانس ہندی کا لے لیجئے۔ اس سے دونوں باتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ دوسرے دن صاحبزادی نے اپنے ایک محترم بزرگ کا پیام سُنایا کہ "نہ تو اُردو کا کوئی مستقبل ہے اور نہ اس زبان کو پڑھنے سے ملازمت مل سکنے کا امکان ہے۔ پھر بیکار اُردو کیوں پڑھیں"۔ یہ ذہنیت کچھ ایک ہی فرد کی نہیں بیشتر افراد کی ہے اور ایسے جملے اکثر سُننے میں آتے ہی رہتے ہیں۔

(۵) متوسط طبقے کے مسلمان تو یہ کہہ بھی سکتے ہیں کہ ملازمت ملنے کا امکان کم رہ جاتا ہے اگر صوبائی یا سرکاری زبان نہ پڑھیں لیکن ذکر تو ان متمول اور دولتمند خاندانوں کا ہے جن کی لڑکیوں کیلئے ملازمت کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ مدراس میں ایسے متمول مسلمان کافی تعداد میں ہیں۔ ان لڑکیوں کی تعلیم عموماً کانونٹ میں ہوتی ہے جہاں اُردو تعلیم کا زبان دوم کے طور پر کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ مدراس میں کچھ ایسے حامیان اُردو ضرور ہیں جو ان اسکولوں میں بھی اپنی لڑکیوں کے لئے اُردو ہی کو پسند کرتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح اس کی تعلیم کا انتظام کرتے یا کراتے ہیں۔ اور ایسی لڑکیاں کالج میں بھی زبان دوم اُردو ہی پڑھتی ہیں لیکن اکثریت ایسے متمول مسلمانوں کی ہی ہے جو اس اُردو نوازی کی مصلحتاً یا سہواً ضرورت نہیں سمجھتے۔ حالانکہ یہ حضرات اگر چاہیں تو ذرا سی توجہ سے اُردو کے لئے بہتر صورت حال پیدا کر سکتے ہیں۔ اور اب تو کچھ ایسی فضا ہے کہ مسلمان طالبات میں ہندی کو اختیاری مضمون کے طور پر اختیار کرنے والی طالبات کی تعداد اُردو کی طالبات کی تعداد کے مقابلے میں تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ مدراس کی حد تک تو یہ سہولت بھی ہے کہ اُردو اور ہندی کو ایک ساتھ پڑھا بھی جا سکتا ہے۔ پھر بھی لوگ اس طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

(۶) اسی سلسلے میں مدراس ہی کے متعلق ایک اور انکشاف یہ ہے کہ:۔

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

بنگلہ کہاوتیں

یہاں کچھ ایسی کہاوتوں کا ذکر کرتا ہوں جو دلچسپ بھی ہیں اور برجستہ بھی۔

۱۔ ن سے ی مامار چے سے کانا ماما بھالو۔ نہیں ماما سے کانا ہی ماما اچھا۔

۲۔ اُدُور پِنڈی بُدھو گھاڑے۔ اُدُو کا بوجھ بدھو کے سر۔

۳۔ ناچ تے نا جان لے اُو ٹھا لنے ٹیڑھو شش۔ ناچنا نہ آئے تو قصور آنگن کا۔

۴۔ گوروُمے رہے جوتا دان۔ گائے کو مار کر جوتے بانٹنا۔

۵۔ چور پالالے بُدھی باڑے۔ چور جاتا ہے تو عقل آتی ہے۔

۶۔ بیس تور شان ناشی تے گاجون ناش تو۔ زیادہ بچاری، بوجھا خراب۔

(اقبال کرشن)

شاعر اور بوٹ پالش

احمد آباد۔۔۔ گزشتہ ہفتے صبح سویرے LAW کالج کی فٹ پاتھ پر ایک دلچسپ منظر دیکھنے میں آیا۔ گجراتی کے دس جدید شاعر ہاتھوں میں پالش برش لئے ایک صف میں بیٹھے کالج کے طلبہ کی بوٹ پالش کر رہے تھے۔ ان سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ جدید شاعری کے اپنے ڈیڑھ ماہی رسالہ "رے" کے لئے فنڈ جمع کرنے کو طلبہ کی بوٹ پالش کر رہے تھے۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں انھوں نے کافی فنڈ اکٹھا کیا۔ پالش کے درمیان ایک گجراتی روزنامے کے نامہ نگار نے ان سے کچھ سوالات پوچھنے کی تمنا ظاہر کی۔ جواب میں ان شاعروں نے نامہ نگار کو ان کی ہفت روزہ مجلس میں آنے کو کہا اور وہاں زیادہ گاہکی کے سبب جوابات دینے سے انکار کیا۔

مجھے یہ معلوم کرکے اور بھی تعجب ہوا کہ اُردو اور گجراتی کے جواں سال شاعر جناب عادل منصوری بھی ان میں شامل تھے۔

انھوں نے اپنے آئندہ پروگرام بتاتے ہوئے کہا کہ آئندہ ماہ بمبئی میں تین دن کے لئے جو گجراتی ساہتیہ پریشد منعقد ہو رہی ہے وہاں وہ بوٹ پالش کے ذریعے کثیر فنڈ جمع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

یہاں کے ادبی حلقوں میں ان کے اس اقدام سے سنسنی پھیل گئی ہے۔

(غلام مصطفےٰ)

ایک رسم خط

جواہر لال جی نے یہ تمنا ظاہر کی ہے کہ کاش تمام ہندوستانی زبانوں کا رسم خط ایک ہوتا۔ ہم اس تمنا میں اُن کے شریک ہیں لیکن جب عمل کے نقطۂ نظر سے دیکھو تو سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ چیز ہو کیسے سکتی ہے۔ ہم اس سوال کو اُردو رسم خط کی نظر سے دیکھتے ہیں تو محسوس کرتے ہیں کہ اُردو اپنے رسم خط کو چھوڑ نہیں سکتی۔ کیونکہ اگر وہ اپنا رسم خط بدلے تو یہ جو لاکھوں کتابیں اردو رسم خط میں چھپی ہوئی ہیں اُن کو کیسے رسم خط میں تبدیل کرائے۔ اس کام پر کروڑوں روپوں کا خرچ ہوگا وہ کہاں سے آئیں گے۔ دوسری بات یہ ہے کہ موجودہ اُردو رسم خط بے حد غریب پرور ہے یہ جگہ کم گھیرتا ہے اس وجہ سے اُس کی کتابوں اور اخباروں میں کاغذ کم صرف ہوتا ہے اور وہ سستی پڑتی ہیں۔ اس خط کی چھپائی بھی بہت سستی ہوتی ہے۔ اتنی سستی جتنی ہندوستان کے کسی رسم خط کی سستی نہیں ہوتی۔ اس وقت جو اُردو کتابیں اور اخبار اتنے چھپ رہے ہیں اُس کی جہاں اور وجہیں ہیں وہاں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُردو کتاب پر تمام زبان کی کتابوں سے کم لاگت آتی ہے۔ ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اس رسم خط میں کوئی خاص کمزوری نہیں ہے۔

ان سب باتوں سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اُردو پڑھنے والوں کی آنکھیں عادی ہو چکی ہیں اس رسم خط کی ان سب باتوں کو جب دیکھو تو یہ چیز کہ سب زبانوں کا رسم خط ایک ہو تمنا سے آگے جاتی نظر نہیں آتی۔

(ادارتی نوٹ۔ روزنامۂ قومی آواز)

انعامی مقابلوں میں دہلی یونیورسٹی کی کامیابی

(بحوالہ انڈین ایکسپریس) آل انڈیا ریڈیو کے زیر اہتمام ہونے والے انٹر یونیورسٹی ریڈیو ڈراموں کے مقابلوں میں دہلی یونیورسٹی نے دو انعام حاصل کئے۔

بعض ریڈیو کھیلوں پر انعام ملا ان میں ایک ہندی کا ڈرامہ "کوئلے کی کھان" دوسرا اردو پلے "شبیر خاں" تھے۔

لکھنؤ یونیورسٹی نے انگریزی ڈراموں میں پہلا انعام جیتا۔ مقابلے کے لئے ۱۲۰ داخلے ہوئے تھے۔ قریباً ۲۵ یونیورسٹیوں نے حصہ لیا تھا۔ دوسری زبانوں نے بھی اول انعامات حاصل کئے۔

اُردو اسکولوں کے کھولنے کے سلسلے میں حکومت کی ہدایات

انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کی عرضداشت پر محکمۂ تعلیم نے ڈائریکٹر تعلیمات کو لکھا ہے کہ وہ ڈسٹرکٹ ایجوکیشنل افسروں اور ضلع پریشدوں کو ہدایات جاری کر دیں کہ اُردو درجوں کے کھولنے کے سلسلے میں وہ جملہ تجاویز ان کے پاس بھیجا کریں اور خود ان کو مسترد نہ کیا کریں۔

انجمن کے سکریٹری سے بھی کہا گیا ہے کہ ایسی تمام عرضداشتوں کی نقل ڈائریکٹر تعلیمات کے پاس بھی بھیجی جایا کریں تاکہ وہ اُن پر کارروائی کا آغاز کر دیا کریں۔

اُردو مجلس بھدرک کالج کا سالانہ جلسہ

اُردو مجلس بھدرک کالج کا سالانہ اجلاس زیر صدارت پروفیسر رادھا کرشنا بڑی شان کے ساتھ منعقد ہوا جلسے کا افتتاح کرتے ہوئے مولوی محمد حنیف صاحب ڈپٹی اسپیکر اڑیسہ اسمبلی نے اپنی تقریر میں اُردو کے مشترکہ زبان ہونے اور ملک کی سیاسی، سماجی اور کلچرل زندگی میں اس کے اہم کردار پر روشنی ڈالی۔ پروفیسر منظر حسن صاحب نے "اُردو کا ایک ہندوستانی زبان" کے موضوع پر مدلل اور پر مغز تقریر فرمائی۔ پروفیسر منصور احمد کالونی نائب صدر مجلس نے مولوی محمد حنیف صاحب کا تعارف کراتے ہوئے مختصر تقریر فرمائی آخر میں طلبہ نے ایک رنگا رنگ پروگرام پیش کیا۔

دو نئی کتابیں

(۱) 'ادب اور نفسیات' اس میں ادب اور نفسیات کے باہمی رشتے اور متعلقہ مسائل پر مصنف نے سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

(۲) 'فکر اور ادب' اس کتاب میں بیشتر مسائل اچھوتے انداز میں پیش کئے گئے ہیں۔

ملنے کا پتہ

دیوندر اسر، ۲۷/۱۹ ایسٹ پٹیل نگر۔ نئی دہلی 12

انجمن ترقی اُردو شاخ بودھن

انجمن ترقی اُردو شاخ بودھن کے زیر اہتمام زیر صدارت حافظ رفیق احمد صاحب مشفق نثر نگاری کی ایک محفل ہوئی جس میں حافظ رفیق احمد مشفق، محمد صدرالدین فرخ، ظفر عالمگیر، قادر محی الدین، شاہد قادری، زبیدہ صابری، رشیدا، شاکر باچوری، عادل رفیقی، نصرت نسیم، ثنا قریشی، حسین عسکری نے اپنے اپنے مضامین سُنائے۔

اقلیتی زبانوں کے استعمال کیلئے سرکاری احکام

انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کی عرضداشت کے جواب میں محکمۂ انتظام عامہ کی طرف سے جواب ملا ہے کہ جملہ متعلقہ محکموں کو ہدایتیں جاری کر دی گئی ہیں کہ وہ اپنے زیر انتظام ماتحت افسروں کو اس امر کی مناسب ہدایتیں بھیجیں کہ وہ (افسران) اقلیتی فرقوں کی زبان کو سرکاری اغراض کے لئے استعمال کرنے پر جملہ احکام پر سختی سے عمل درآمد کریں۔

مشترکہ رسم الخط اور تعلیم بالغان کی اہمیت

(بحوالہ انڈین ایکسپریس) بڑودہ میں اڑتیسویں کل ہند تعلیمی کانفرنس میں منصوبہ بندی کمیشن کے ممبر ڈاکٹر وی۔ کے۔ آر۔ وی۔ راؤ نے اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا کہ ہمارا قومی نظام قوم کے اندر جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے میں قطعی طور پر ناکام ثابت ہوا۔ اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ تعلیمی نظام مختلف مقامات کے باشندوں میں باہمی اظہار خیال کے لئے کسی مشترک زبان کی تعلیم دینے میں ناکام رہا ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جاتی ہیں صرف کسی علاقائی زبان میں تعلیم دینے سے کام نہیں چلتا بلکہ یہاں ایک ایسی ہندوستان گیر مشترکہ زبان کی تعلیم بھی ضروری ہے جس کو ملک بھر کے سب باشندے آسانی سے سمجھ سکیں۔

آزادی کے ۱۰ سال اور سماجی و اقتصادی منصوبہ بندی کے ۱۲ سال گزر جانے پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ تعلیم بالغان ابھی ملک میں عام نہیں۔ عملی مقاصد کے حصول کے لئے مختلف زبانیں بولنے والے عوام ابھی تک ایک دوسرے سے ربط پیدا کرنے والی زبان سے محروم ہیں۔

ڈاکٹر راؤ نے تعلیم بالغان اور مشترکہ وفاقی زبان کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ ایک ایسے سخت پروگرام پر عمل درآمد کی ضرورت ہے جس سے تعلیم بالغان کا منصوبہ دو تین سال کے اندر اندر تکمیل کو پہنچ جائے اور اس کے انجام دینے کے لئے تعلیم یافتہ لوگوں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے خواہ وہ ٹیچر ہوں، طلبہ ہوں، سرکاری یا غیر سرکاری ملازم ہوں۔ دوسرے ممالک نے ایسے مسئلوں کو بہت پہلے حل کر لیا ہے۔ صرف باہمت اور حوصلہ مندانہ اقدام کی ضرورت ہے۔

اقتصادیات کے ماہرین نے مختلف علاقائی رسم الخطوں کیا ہندی کی تعلیم کی سفارش کی ہے۔ مگر ہندوستان جیسے مختلف اللسان ملک میں ایک مشترکہ رسم الخط ہی اس مسئلہ کا صحیح حل ہے۔ اگر ہندوستان میں ایک مشترکہ زبان ذریعہ تعلیم ہو تو قومی یکجہتی اور ملکی ترقی کے مقصد میں خاطر خواہ کامیابی ہو جانے کی قوی امید ہے۔ انگریزی کی بجائے ہندوستانی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے کام میں اب زیادہ دیر نہ ہونی چاہیئے۔

تعلیم کے ہر درجے میں طلبہ کی تعداد کافی بڑھ گئی ہے اس اضافے کی وجہ سے تعلیم کے ہر شعبے میں ضرورت سے زیادہ اتنا ہجوم ہو گیا ہے جس سے مدرسین اور طلبہ کے تناسب پر برا اثر پڑا ہے۔ عددی اکثریت صحیح قابلیت کا نعم البدل نہیں ہو سکتی اور خاص کر تعلیم کے میدان میں ناقابل طلبہ کی یہ بھیڑ اور زیادہ نقصان دہ ہے۔

ہندی کتابوں کے لئے نئی اسکیم

(بحوالہ انڈین ایکسپریس) مرکزی محکمہ تعلیم نے پبلشروں کے تعاون سے ہندی کتابوں کی تیاری، ترجمہ اور طباعت کی اسکیم پر نظرثانی کر کے آخری شکل دیدی ہے۔

اس نئی اسکیم کے ماتحت سائنس ٹیکنولوجی، ہومینٹیز معلومات عامہ، کلاسکی اور بچوں کے ادب سے متعلق کتابوں کے ترجموں اور اصل کتابوں کے نام پبلشر تجویز کیا کریں گے۔

مرکزی ہندی ڈائرکٹوریٹ کی تسلیم کردہ مناسب کتاب بھی قابل منظوری ہوگی۔

اس اسکیم کے مقاصد سائنسی اور ٹیکنکل معلومات کی اشاعت، وزارت تعلیم کی وضع کردہ سائنسی اور ٹیکنکل علوم کے مختلف شعبوں کے لٹریچر شائع کر کے ہندی کو زیادہ سے زیادہ مالدار بنانا ہیں۔

مشترکہ رسم خط

(بحوالہ قومی آواز) مرکزی وزیر تعلیم ایم۔ سی چھاگلا نے بمبئی میں گجرات ساہتیہ سمیلن کے ۲۲ ویں اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے ملک میں یکساں رسم خط کے رواج پر زور دیا اور اردو کی ان کتابوں کی مقبولیت کی مثال دی جو ہندی ٹائپ میں شائع ہوتی ہیں۔

انہوں نے کہا کہ اردو کی یہ کتابیں لاکھوں کی تعداد میں بک رہی ہیں۔ دوسری ہندوستانی زبانوں کی مزید کتابوں کو ناگری رسم خط میں شائع کرنا چاہیئے۔

شری چھاگلا نے تمام زبانوں کے لئے ایک ہی رسم خط کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح مختلف ریاستوں کے عوام کو قریب لایا جا سکے گا ہماری مشترکہ زبان سنسکرت تھی۔ اس لئے ایک مشترکہ رسم خط بھی ہونا چاہیئے۔ یوں بھی ہماری مختلف زبانوں کے درمیان زیادہ فرق نہیں ہے۔ اگر ایک مشترکہ رسم خط اختیار کر لیا جائے تو قومی یکجہتی میں بڑی مدد ملے گی۔

انگریزی لازم

موصوف نے انگریزی زبان کو ملک کیلئے لازمی قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ جب تک ہندی اس قابل نہیں ہو جاتی کہ ہندوستان میں ایک رابطہ کی زبان کا کردار ادا کر سکے انگریزی کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔ سب سے بڑی ضرورت ملک کی مختلف ریاستوں کے درمیان رابطہ کا ایک ذریعہ قائم رکھنے کی ہے۔ زمانۂ قدیم میں یہ کام سنسکرت زبان نے، قرون وسطیٰ میں فارسی نے انجام دیا۔ اور اب یہی کام انگریزی انجام دے رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک کے اتحاد کو سب سے بڑا خطرہ مقامی زبانوں کے حامیوں کی شدت پسندی سے لاحق ہے وہ یہ بات فراموش کر دیتے ہیں کہ علاقائی زبانیں ابھی اس قابل نہیں ہیں کہ انگریزی کی جگہ لے سکیں۔ جب تک ہم ہندی کو ترقی دے کر انگریزی کے برابر نہیں لاتے ہم کو انگریزی کو برقرار ہی رکھنا ہوگا۔

صفحہ ۸ کا بقیہ

ایک زنانہ کالج میں اُردو پڑھنے والی طالبات کی تعداد انٹرمیڈیٹ اور بی۔ اے میں ۸۰ تھی اور اس وقت اُردو لیکچرار کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی اور تلاش جاری تھی۔ اور سنہ ۶۳ء میں سال اول بی۔ اے بی ایس سی میں اُردو کا داخلہ بند کر دیا جانے کے باوجود بھی طالبات کی تعداد ۳۰ ہے۔ لیکن پھر بھی ذہنیت میں اتنا فرق آ گیا ہے کہ سب سے اُردو کی سیٹ کو ختم کر دینا ضروری تصور کیا جا رہا ہے۔

(۲) اس سلسلے میں اُن طلبہ و طالبات پر بھی نظر پڑتی ہے جن کی زبان دوم اُردو ہوتی ہے اور مادری زبان بھی اُردو۔ لیکن اُردو سے اُن کو کوئی ذوق نہیں ہوتا صرف کامیاب ہو جانے کا تصور اُن کے ذہن نشین ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمارے گریجویٹ طلبہ و طالبات کی معلومات کا یہ عالم ہے کہ وہ اکبر الٰہ آبادی اور نظیر اکبر آبادی کو ایک ہی شخصیت سمجھتے ہیں۔ کاش ان میں اُردو کا صحیح ذوق پیدا کیا جا سکے۔

ان حقائق کے پیش نظر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ محترم ہاشمی صاحب کا یہ خیال کہ اُردو ہندوستان میں صرف بول چال کی زبان رہ جائے گی اور اُردو رسم الخط سے کوئی بھی واقف نہ ہوگا، کسی حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے۔ خدا نہ کرے جو اُردو پر ایسا وقت آئے۔

(ذاکرہ غوث)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پبلشر نذیر حسن، پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اُردو علی گڑھ سے شائع کیا